Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"لڑائی ہُوئی ہے؟" بی بی نے پوچھا۔

لالہ کچُھ نہ بولا۔

"پُلس آئی تھی؟ پُلس نے لوگوں کو مارا ہے؟ تُم کہاں تھے؟ پُلس کے آگے تو نہیں آئے؟" وہ سوال پہ سوال کئے جا رہی تھی اَور لالہ مُنہ بند کئے بیٹھا ہوا میں تکے جا رہا تھا جیسے اُسے سانپ سُونگھ گیا ہو۔

آخر بی بی ہار کر اُس کے سامنے سے ہٹی اَور آواز دے کر بولی، "باسے، ایک مُرغی پکڑ کر حلال کر۔"

میں اَور عباس صحن میں مرغیوں کے پیچھے بھاگنے لگے۔ ہماری دیسی مرغیاں مضبوط ٹانگوں اَور پیروں والی تھیں اَور چاں چاں کر کے دھول اڑاتی اَور پنجے مارتی ہُوئی ہاتھوں سے نِکلی جاتی تھیں۔ آخر ہم نے گھیر گھار کر ایک مُرغی کو قابو میں کر لیا۔

"اوئے سرفرازے"؟ بی بی بولی، "باسا تو پاغل کا ٹوٹا ہے، تیری عقل بھی پڑھ پڑھ کے ماری گئی ہے؟ یہ انڈوں والی ہے۔ وہ کالی مُرغی پکڑ کے لا۔ چل۔"

ہماری ابھی سانس بھی برابر نہ ہُوئی تھی کہ ہاتھ والی مُرغی کو پھینک کر کالی کے تعاقب میں دوڑ پڑے۔ ساری مرغیوں نے شور مچا مچا کر آسمان سر پر اُٹھا رکھا تھا۔ میرے تجربے میں کھلی مُرغی پکڑنے کا عمل دنیا کے مشکل ترین کاموں میں سے ایک ہے۔ آدمی کے بدن کا قدرتی ربط ٹوٹ پھوٹ جاتا ہے۔ ہاتھ اَور پاؤں اِس انداز سے حرکت کرتے ہیں گویا اُن پر اِنسانی اِرادے کا ضبط نہ ہو۔ اُوپر سے کالی مُرغی اُڑان کر کے منڈیر پر جا چڑھی۔ میں دیوار کے ساتھ کھڑی سیڑھی پہ چڑھ کر بے حرکت کھڑا ہو گیا۔ دُوسری طرف سے عباس اُچھل اُچھل کر اُسے میری جانب ہانکنے لگا۔ جیسے ہی مُرغی میری زد میں آئی میں نے ہاتھ مار کر اُس کی ٹانگ پکڑ لی۔ مگر مُرغی نے دُوسرے پنجے کا ناخن میری کلائی میں گاڑ دیا۔ ساتھ ہی اُس نے اِس زور سے پر پھڑپھڑائے کہ اُس کی ٹانگ میرے ہاتھ سے چھوٹ گئی۔ مُرغی پھر اُڈاری کے زور پہ منڈیر کے اُوپر جا بیٹھی۔ عباس پہلے ہی کوٹھے پر پہنچ چُکا تھا۔ مُرغی اُسے اپنے قریب آتے دیکھ کر واپس صحن میں کُود پڑی۔ بی بی صحن میں کھڑی تھی۔ اُس نے دونوں ہاتھوں سے مُرغی کو ہوا میں اُچک لیا۔ ہم صحن میں پہنچے تو بی بی مُرغی کے دونوں پروں کی جڑوں کو گانٹھ کی شکل میں باندھے کھڑی تھی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"باسے، چھُری لے کر آ۔" وہ مُرغی کو میرے ہاتھ میں دیتے ہُوئے بولی۔ میری کلائی پر خُون کا ایک قطرہ اُبھر آیا تھا۔ بی بی نے جھک کر اُسے دیکھا۔ "خیر ہے،" وہ بولی، "ذرا سا ناخن لگا ہے۔ چولہے سے راکھ لے کر اُوپر مل لے۔"

عباس نے مُرغی حلال کی۔ بی بی نے لکڑیاں جلا کر کوئلے بنائے۔ جب لکڑیوں کی پیلی آگ ختم ہو گئی اَور کوئلے دہکنے لگے تو بی بی نے مُرغی کی ادھ کٹی گردن چھری سے کاٹ کر پھینکی اَور پَر نوچ نوچ کے اُتارے۔ پھر اُس نے مُرغی کو کوئلوں پہ اُلٹ پلٹ کر جلد کی باریک لوئیں کو ختم کیا۔ جس سے چمڑی جلنے سے بچی رہی مگر کِسی کِسی جگہ پہ ہلکی سی جھلس گئی۔ یہ بی بی کے ہاتھ کا کمال تھا۔ ہانڈی میں پک کر یہی جھلسی ہُوئی عنابی رنگ کے چٹاخوں والی دانے دار چمڑی اصل مزا دیتی تھی۔ اِس شہر میں تو اب چمڑی سمیت مُرغی پکانے کا رواج ہی ختم ہو گیا ہے۔ جہاں دیکھو خشک ننگا گوشت ملتا ہے۔ جس کا سوف دانتوں کے بیچ اٹک جاتا ہے اُور دھاگہ پھیرے بغیر نہیں نِکلتا۔ جو لطف چکنی چکنی نرم کھال کو چبانے کا ہے وہ مُرغی کی ٹانگ میں بھی نہیں۔ لالہ اَور میں دونوں چمڑی کے شوقین ہیں۔ لالہ صاف چمڑی پسند کرتا ہے جبکہ اُس کے سرخ سرخ ادھ جلے حصے مجُھے اچھے لگتے ہیں۔ اب تو میں چمڑی والی پکی ہُوئی مُرغی اپنے گھر جا کر ہی کھاتا ہُوں۔ بی بی ہمیشہ میری خاطر مُرغی پکاتی ہے۔ وہ عموماً مُرغی کی ایک ران مجُھے اَور ایک لالے کو پلیٹ میں ڈال کر دیتی ہے۔ اگر باسا آیا ہُوا ہو تو اُس کو پوچھتی ہے کہ وہ ران کھائے گا یا سینہ۔ باسا ہمیشہ میرے حصے کی ران مانگ لیتا ہے۔ اِس موقعے پر لالہ ہمیشہ سینہ لے لیتا ہے اَور اپنے حصے کی ران اور بہت ساری چمڑی مجُھے دے دیتا ہے۔ یہ اب کی بات ہے جب میں گھر چھوڑ کر یہاں آ گیا ہُوں۔ دو سال پہلے کی اُس شام کی بات اَور تھی۔ بی بی نے مُرغی کی دونوں رانیں جن پر گلی ہُوئی نرم اَور لچک دار چمڑی کے غلاف چڑھے تھے، لالے کی پلیٹ میں ڈال کر اُس کے آگے رکھ دیں۔ لالے کے چہرے سے معلوم ہوتا تھا کہ اُسے کھانے کی خواہش نہیں ہے۔ مگر جب بی بی نے اُسے کھانے کو کہا تو وہ دسترخوان سے ہاتھ صاف کر کے کھانے لگا۔ بی بی گرم گرم پھلکے توے سے اُتار کر اُن کو مکھن کی ڈلی سے تر کرتی ہُوئی لالے کے آگے رکھتی جا رہی تھی۔ اب لالہ اِس طرح سے کھاتا جا رہا تھا جیسے بہت دیر کا بھوکا ہو۔ عباس لالے کی پلیٹ میں دونوں رانوں کو ایک تار دیکھے جا رہا تھا۔ بی بی کی نظر اُس پر پڑی تو بولی،

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"صبر کر ندیدے، تجھے بھی دیتی ہوں۔ چل مُنہ پرے کر، نظر نہ لگا۔"

اُس شام کو لالے نے اپنے کھانے میں شریک کرنے کے لِئے ہم سے ایک لفظ نہ کہا۔ وہ کسی اَور ہی خیال میں غرق تھا۔ بی بی نے اُس وقت تک ہمیں کھانا نہ دیا جب تک کہ لالہ روٹی ختم کرکے، پانی پی کر چارپائی پہ لیٹ نہ گیا۔ پھر بی بی نے ہمیں کٹوروں میں سالن اَور پھلکے دیئے اَور خُود اپنا کھانا لے کر لالے کے برابر والی چارپائی پہ جا بیٹھی اَور بچو نگڑوں کے ساتھ مل کر کھانے لگی۔

"کوئی نقصان تو نہیں ہوا؟" بی بی نے پوچھا۔

"ایک مزدُور زخمی ہو گیا ہے،" لالے نے کہا۔

"ہائے اللہ۔ زیادہ زخم تو نہیں آیا؟" بی بی نے پوچھا۔

"سر پر لاٹھی لگی ہے۔ زخم گہرا لگتا ہے۔ ہسپتال لے گئے ہیں۔"

"بچ تو جائے گا ناء؟" بی بی تفکر سے بولی۔

"اِس کا علم تو خُدا کو ہو۔ سر کے زخم کا کسے پتا ہوتا ہے۔"

"اللہ رحم کرے،" بی بی نے کہا۔ "ماملہ یہاں تک کیسے پہنچا؟"

"مالک زیادتیاں کریں تو معاملہ اِس حد تک پہنچنا ہی تھا۔"

"تُمہاری بات نہیں چل سکی؟"

"میری بات کتنے دِن تک چلتی؟ میرا رسُوخ اب ختم ہو چُکا ہے۔ میرا تعلق اب جہانگیر سے بھی ختم سمجھو۔"

"نہ نہ، اَیسا نہ کہو،" بی بی بولی، "اپنی برادری ہے۔ اچھے بُرے وقت میں کام آنے والا آدمی ہے۔"

"میں نے اس کا ساتھ اُس وقت تک دیا ہے جب تک دے سکتا تھا۔ اگر میں نہ ہوتا تو یہ وقت بہت پہلے آ چُکا ہوتا۔ اب آگے میں اُس کے ساتھ نہیں چل سکتا۔"

"کیوں، کیا ہُوا؟" بی بی بے پوچھا۔

"جو کچُھ وہ کہتا ہے وہ میں نہیں کر سکتا،" لالے نے کہا۔

"کیا کہتا ہے؟"

"کہتا ہے میں اُس کے ساتھ مل کر سرکاری یونین بناؤں۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"اِس میں کیا خرابی ہے؟"

"دیکھو،" لالہ اُٹھ کر بیٹھ گیا اَور ہاتھ اٹھا کر سمجھانے کے اَنداز میں بولا، "یونین مزدُوروں کے حقوق کی حفاظت کے واسطے ہوتی ہے۔ مالکان زیادہ سے زیادہ منافع کمانے کی خاطر مزدُوروں کو تنخواہ کم دیتے ہیں۔ مزدُور اکٹھ کرکے کام بند کر دینے کی دھمکی دیتے ہیں۔ مالکوں نے اِس کا توڑ کرنے کے لِئے یہ طریقہ نکالا ہے۔ اپنے اعتمادی لوگوں کو عہدے دار منتخب کرا کے اپنے مطلب کی یونین بنا لیتے ہیں اَور اسے حکومتی دفتروں میں درج کرا دیتے ہیں۔"

"تو اِس میں خرابی کیا ہے؟" بی بی نے پوچھا۔ "سارے کام اِعتمادی لوگوں کے ہاتھ سے ہی ہوتے ہیں۔"

لالے نے اپنے ماتھے پہ ہاتھ مارا۔ "خُدا کی بندی، خرابی یہ ہے کہ اصلی مزدُوروں کے ہاتھ سے اُن کا اختیار چھین کر اپنے پٹھوؤں کو اُن کے مقابلے پہ کھڑا کر دیتے ہیں۔ پھر اُن سے اپنی من مانی کراتے ہیں۔"

"مل تو چلتی رہتی ہے،" بی بی نے کہا۔

"چلتی رہتی ہے تو کیا ہُوا؟"

"کام چلتا رہتا ہے۔ مزدُوروں کا بھی اَور ہمارا بھی۔"

"تجھے بس پیٹ کی ہی فکر ہے یا کچھ اَور بھی کبھی سوچتی ہے؟ لوگوں کے حقوق بھی ہوتے ہیں۔"

ساری بات تو پیٹ کی ہے۔ روٹی اَور کپڑا ملتا رہے تو اللہ کا شکر کرو۔"

"ٹھیک ہے، تجھے روٹی اَور کپڑا ملتا ہے، مگر ساتھ ہی تیرا آدمی روز تیری ہڈیاں بھی توڑتا ہے۔ تو کیا تو مطالبہ نہ کرے گی کہ تجھے مارا پیٹا نہ جائے؟"

"کروں گی،" بی بی نے کہا۔ "مگر وہ تو دُوسری بات ہے۔"

"تو پھر یہ دُوسری بات کی ہی بات ہے۔ یہ حقوق کی بات ہے۔ ظلم کے بہت سارے رستے ہوتے ہیں۔"

"مجھے تو تمہاری سمجھ نہیں آتی،" بی بی بولی۔ "پہلے اِن باتوں میں پڑ کے نقصان اٹھا چکے ہو۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"تجھے سمجھ نہیں آتی تو میں کیا کروں،" لالے نے غصے سے کہا۔
مجھے ڈر محسوس ہونے لگا تھا کہ اب لڑائی ہونے والی ہے اور بی بی بھڑک اُٹھے گی۔
مگر اُسی وقت دروازے پر دستک ہوئی۔ عباس بھاگ کر گیا، واپس آ کر بولا، "ملک جہانگیر نے بندہ بھیجا ہے۔"
لالہ اُٹھ کر گیا۔ باہر نِکل کر اُس نے دروازہ اپنے پیچھے بند کر دیا۔ دِل میں وسوسہ لِئے ہم تینوں صحن میں بیٹھے دروازے کو دیکھتے رہے۔ چند منٹ کے بعد لالہ پلٹ آیا اور چارپائی پہ بیٹھ گیا۔
"کون تھا؟" بی بی نے پوچھا۔
"جہانگیر کا منشی تھا،" لالے نے کہا۔
"کیا کہتا؟"
لالہ کچھ دیر چپ رہا، پھر بولا، "بلاوا بھیجا تھا۔"
"تو جا کر مل آؤ۔"
"اب میں کوئی سیر کرتا ہُوا آیا ہوں؟" لالہ بولا۔ "وہیں سے آ رہا ہُوں۔"
"پھر کیا کہتا ہے؟"
"اُسی بات پہ مجبور کرتا ہے۔"
"کیوں پیچھے پڑا ہُوا ہے؟"
"اُس کے پاس اور کوئی راستہ نہیں۔ دراصل وہ ضد میں آ گیا ہے۔ اِن لوگوں کی ذہنیت ہی ایسی ہے۔ ضد میں آ کر کام خراب کر دے گا۔"
"چلو وہ اِتنی تکرار کر رہا ہے تو اِمداد کر دو۔"
"میں نے اِنکار کر دیا ہے۔ اُسے سمجھ جانا چاہئے کہ یہ کام مجھ سے نہ ہو گا۔ میں اپنی زندگی بھر کی عزت مٹی میں ملانے کے لِئے تیار نہیں۔ یہ اُصول کا معاملہ ہے۔"
"برادری میں عزت کا تمُہیں خیال نہیں؟"
"دیکھ سکّو،" لالہ دھیمے لہجے میں بولا، "تجھے ان باتوں کی خبر نہیں۔ ذات برادریاں صِرف ہم لوگوں کی ہوتی ہیں۔ مزدُوروں میں نہ کوئی جاٹ ہوتا ہے نہ ارائیں، نہ کوئی سید نہ قریشی، نہ چوہدری نہ کمین۔ مزدُوروں کی ایک ہی برادری ہوتی ہے۔ جو اُن کی محنت پر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

قائم ہوتی ہے۔ اِس محنت کی کمائی ان کا حق ہے۔ یہ لوگ برادری کے نام پر ووٹ نہیں مانگتے، کھانے کے لِئے روٹی مانگتے ہیں۔ اِس اصول پر میں نے اپنی عُمر لگائی ہے۔ تجھے کیا خبر؟" "ہاں ہاں، مجھے کیا خبر،" بی بی چڑ کر بولی، "تمہارے صول ہماری بیڑیوں میں بیٹھ گئے ہیں۔ میں تو کہتی ہوں اپنا بھلا پہلے کرو، دُوسرے کا پیچھے کرو۔ اب پیٹ بھر کر کھانے کو ملا ہے تو شکر کرو اَور زمین پر نظر رکھو، آسمان پر آنکھیں نہ اُٹھاؤ۔ میں تو یہ کہتی ہُوں۔"

"تیری تو سمجھ پیٹھ کے پیچھے ہے،" لالہ تیزی سے بولا۔ "تیرے ساتھ بحث کرنے کا کیا فائدہ؟" یہ کہہ کر لالے نے کروٹ لی اور اَور مُنہ پرے کر کے لیٹ گیا۔ بی بی دیر تک کھانے کے برتن سمیٹتی اَور مُنہ میں بڑبڑاتی رہی۔

صبح جب میں سو کر اُٹھا تو سورج نِکلا ہُوا تھا اَور گھر میں خاموشی تھی۔ میں بستر سے نِکل کر سارے گھر میں پھرا، مگر وہاں نہ بندہ نہ بندے کی ذات۔ صِرف مرغیوں کا پنجرہ کھلا تھا اَور مرغیاں اپنے صبح سویرے کی سوئی ہُوئی آوازوں میں کُڑ کُڑ کرتی ہُوئی صحن میں دانہ چگ رہی تھیں۔ بستر سیدھے بھی نہ کیے گئے تھے۔ یوں لگتا جیسے سب لوگ بستروں سے نِکلتے ہی باہر چلے گئے تھے۔ میں نے جلدی سے نلکے پر کُلّی کی اَور پانی کا گھونٹ پیا۔ گھر کا دروازہ چوپٹ کھُلا تھا۔ میں نے گلی میں نِکل کر باہر سے دروازے کی کنڈی لگا دی۔ گلی خالی تھی، صِرف چند بچے دیوار کے ساتھ بیٹھے کنکروں سے کھیل رہے تھے۔ میں نے ساتھ والے گھروں میں جھانک کر دیکھا۔ تقریباً سارے گھر خالی دکھائی دئے۔ میرے دِل میں ایک مہیب وسوسہ پیدا ہو چُکا تھا۔ میری عقل میں نہ آ رہا تھا کہ یہ کیا معاملہ ہے، اب میں کیا کروں، کدھر کو جاؤں؟ متعدد بار میں نے دائیں اَور پھر بائیں کو دیکھا۔ گلی کے بیچوں بیچ کیچڑ آلود سیاہ پانی کی چوڑی سی نالی بہہ رہی تھی جس میں گھروں سے نِکلتی ہوئی پتلی پتلی نالیاں آ کر شامل ہوتی تھیں۔ میں وہاں کھڑا نالی میں آہستہ آہستہ بہتے ہوئے گندے پانی کو دیکھتا رہا۔ ایک بچہ کِسی درخت کی پتلی سی شاخ نالی میں ڈبوئے چل رہا تھا۔ جس سے پانی کی سطح بیچ سے جدا ہو ہو کر دوبارہ یکجا ہوتی جا رہی تھی۔ دھریک کے چند پیلے پتے نالی میں تیر رہے تھے۔ دیکھتے ہی دیکھتے مجھے وہ نالی ایک چوڑے سے، کٹے پھٹے ساحل والے دریا کی شکل میں دکھائی دینے لگی۔ کوئی آدمی بھی گلی سے نہ گزرا تھا جس سے میں پوچھتا کہ یہ کیا قصہ ہے۔ آخیر میرے قدم خُود بخود گاؤں سے باہر کی جانب اُٹھنے لگے، جیسے کہ کِسی آواز

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نے مخاطب ہو کر کہا ہو، "اپنی زمین پر جا۔"

دور سے مجھے ایک مجمع نظر آیا۔ میرے قدم تیزی سے اٹھنے لگے۔ اِتنے میں مجھے ایک عجیب سا اِحساس ہوا۔ میں جہاں پہ تھا وہیں رک گیا۔ ہماری گنے کی فصل کہاں تھی؟ میں نے آنکھیں کھول کھول کر چاروں طرف دیکھا۔ مجھے یقین نہ آ رہا تھا کہ سو گز کے فاصلے پر یہ ہماری زمین تھی جہاں پہ لوگ جمع تھے۔ میں نے اپنے پاؤں کے نیچے زمین کو بھی دیکھا، اردگرد نظر دوڑائی، پیچھے مڑ کر گاؤں کو دیکھا۔ جب مجھے یقین ہو گیا کہ جس جگہ پہ میں کھڑا تھا یہ وہی جگہ تھی جسے میں پہچانتا تھا، تو میں نے دوبارہ سامنے دیکھا۔ یہ ہماری ہی زمین تھی۔ مگر ہمارا کماد کہاں گیا تھا؟؟ ایک لحظے کو یوں محسوس ہوا جیسے میرے اُوپر کوئی آسیب سایہ کئے ہُوئے ہو۔ میرے پاؤں زمین میں گڑتے گئے اَور میں کھڑے کا کھڑا رہ گیا۔ چند لمحوں کے بعد، جانے بوجھے بغیر میں سرپٹ دوڑنے لگا۔ پھر میں کنارے پر کھڑا آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اُس زمین کو دیکھ رہا تھا جو کل رات تک گنے کے کھیت تھے۔ اِس وقت تین ایکڑ کے رقبے کی ہماری بہترین فصل زمین پہ کچلی ہوئی پڑی تھی۔ سارا گاؤں وہاں جمع تھا۔ میں ایک نظر زمین کو اور ایک نظر لوگوں کو دیکھ رہا تھا۔ چوہدری الہ داد میرے برابر کھڑا تھا۔ اس نے اپنا بازو میرے کندھوں کے گرد رکھ کر گویا مجھے اپنی حفاظت میں لے لیا، مگر مُنہ سے کچھ نہ بولا، صِرف تاسف سے سَر ہلا کر خاموش ہو رہا۔ لالہ چار پانچ آدمیوں کے جھرمٹ میں کھیت کے کنارے اپنا سر ہاتھوں میں لِئے زمین پر بیٹھا تھا۔ بی بی اُس سے دو قدم پرے چند عورتوں کے ساتھ بیٹھی تھی۔ رحمت چوہان کی بیوی ماسی مریم نے اُسے قلابے میں لے رکھا تھا۔ بی بی ہاتھ سے اپنی اوڑھنی کو آنکھوں پہ دبائے، ماسی مریم کے جسم سے ٹیک لگائے بیٹھی تھی، جیسے اپنے بوجھ کو سہار نہ سکتی ہو۔ حسن اَور حسین، تین چار دُوسرے بچوں کے ساتھ مل کر کھیت کے اَندر گرے ہوئے گنوں کو اُٹھا اُٹھا کر اُن سے کھیل رہے تھے۔ میں جا کر لالے کے پاس بیٹھ گیا۔ میرا جی چاہا کہ چوہدری الہ داد کی طرح میں بھی اپنا بازو اُس کے کندوں پہ رکھ کر اُسے اپنی حفاظت میں لے لوں، مگر میری ہمت نہ ہوئی، نہ ہی میری جُرأت ہُوئی کہ اپنا مُنہ کھولوں اَور پوچھوں، لالہ، یہ کیا ہُوا ہے؟ اُسی وقت میں اپنی دائیں جانب سے ایک آواز سن کر چونک پڑا۔

"خُدا تیرے ظلم کا بدلہ تجھے قبر کے عذاب سے دے۔ تجھے کبھی چین نہ آئے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ظالم---- خُونی----"

آواز بی بی کی تھی۔ مگر میں اُس کی جانب نہ دیکھتا تو مجھے پہچاننے میں دِقت ہوتی۔ آواز حلق کی بجائے پیٹ کے اَندر سے بر آمد ہوتی ہُوئی معلوم ہوتی تھی۔ بی بی آنکھوں سے اوڑھنی ہٹا کر، دونوں بازو ہوا میں اٹھاے اُس ہیبت ناک آواز میں صدا دے رہی تھی۔ ماسی مریم نے نرمی سے بی بی کے دونوں بازو پکڑ کر نیچے کئے اُور اُس کا سر اپنے سینے سے لگا لیا۔

"خُونی----" بی بی نے آخری لفظ اِس کڑی صدا کے طور اگلا کہ میری نظر کے آگے وہ ہوا میں جا کر اٹک گیا۔ بیسیوں لوگوں کے اُس مجمعے پر ایک خاموشی کا عالم طاری تھا۔ جیسے کہ وہ سامنے کے منظر کی حقیقت کا علم رکھتے ہوں مگر مُنہ سے بول نہ سکتے ہوں۔ لالے نے اپنا سر ہاتھوں سے اُٹھایا۔ اُس کی آنکھیں خشک، مگر سرخ تھیں۔ میں نے سوالیہ نظروں سے لالے کو دیکھا، مگر اُس کی آنکھیں بچوں پہ لگی تھیں جو ڈھئی ہُوئی فصل کے بیچ ہنس ہنس کر بھاگ رہے تھے۔ میری جانب دیکھے بغیر اس نے ایک ہاتھ میرے سر پہ رکھ دیا اَور چوکڑی کی حالت سے اُٹھ کر پاؤں کے بل بیٹھ گیا۔ اردگرد کے لوگوں نے جیسے ہی لالے میں حرکت کے آثار دیکھے، آپس میں باتیں کرنے لگے۔

"بکّو چوہا اپنے کھیت میں سویا تھا،" کسی نے کہا۔

"اوئے برکت،" چوہدی الہ داد نے آواز دی۔ چھوٹے سے مُنہ والا بکّو دُوسری طرف سے اُٹھ کر آیا۔

"تو رات کو اپنے کھیت میں سویا تھا؟"

"ہاں چوہدری۔"

"وہ کھاٹ تیری ہے؟" چوہدری الہ داد نے ایک کِلّے کے فاصلے پر چارے کے کھیت کے کنارے پڑی کھاٹ کی جانب اشارہ کر کے پوچھا۔

"ہاں چوہدری۔ اُدھر ہی پڑی ہے، ایک قدم نہیں ہلائی۔ کھیس بھی نہیں اُٹھایا۔ تشتیش میں اللہ جانے کیا کچھ کہنا پڑے۔"

بکّو چوہا اِس ساری ہلچل کے اَندر اپنے آپ کو اہم جان کر تیز ہو رہا تھا۔

"اوَے تفتیش کے پتر،" الہ داد نے کہا، "تو رات کو ادھر سویا تھا، تجھے کچھ سنائی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نہیں دیا؟"

"چوہدری،" بلال مسیح موچی بولا، "اِس کی گانڈ پر توپ چلا دو تو اِسے پتا بھی نہ چلے۔ یہ کانوں سے بالکل جا چُکا ہے۔"

"ناں چوہدری ناں،" بکّو دائیں کان پر ہاتھ رکھ کر بولا، "بس اِس میں کچھ خرابی ہے۔ کھرلوں کے بیاہ پر ایک گولہ میرے پاس آ کر پھٹا تھا، جس سے پردہ ذرا ہل گیا ہے۔ دُوسری طرف سے ساری بات سن لیتا ہُوں۔ تیری بات سن رہا ہوں کہ نہیں چوہدری؟"

"ہاں ہاں۔ بول۔"

"مجھے قرآن کی مار پڑے جو جھوٹ بولوں۔ ساری رات نہ ٹریکٹر کی آواز نہ ڈوزر کی۔ میں سن لیتا تو وہ یہ کب کر سکتے تھے؟"

"تو کیا تیرے فرشتے آ کر فصل ہاتھ سے کاٹ گئے ہیں؟" الہ داد نے کہا۔

بکّو چوہے کی بیوی عقب سے نِکل کر آگے بڑھی۔ "چوہدری، اس نامراد کو کیا پوچھتے ہو۔ اس کی آنکھ بند ہو جائے تو اسے اپنی دھوتی کا بھی ہوش نہیں رہتا۔ ایرہ وغیرہ سب کھول کر ننگا پڑا رہتا ہے۔ سارے جانتے ہیں پچھلے سال اس کی دھوتی کے ڈب سے چور نوّے روپے کھول کر لے گئے تھے۔ اس کی آنکھ بند ہو تو نامراد مردہ ہے مردہ۔ چل اوَے، بڑھ بڑھ کے بولے جاتا ہے۔" وہ بکّو چوہے کو اپنے آگے آگے دھکے دیتی ہُوئی وہاں سے نکال کر لے گئی۔

لالہ اپنے سامنے سے ایک ٹوٹا ہُوا گنا اُٹھا کر بے خیالی سے اُس پہ ہاتھ پھیرنے لگا، جیسے بیجائی کے لِئے گانٹھوں کا اِنتخاب کیا کرتا تھا۔ پھٹے ہُوئے گنوں کا رس بہہ کر جگہ جگہ پہ زمین میں جذب ہو چُکا تھا، جس سے خشک مٹی میں چھوٹے چھوٹے سیاہ چٹاخ نظر آ رہے تھے۔ ہوا میں گنے کے رس اَور کماد کے کھردرے، کاٹ دار پتوں کی ہلکی خوشبو پھیلی تھی۔ چوہدری الہ داد نے جھک کر لالے کے کندھے پر ہاتھ رکھا اَور رازداری سے پوچھا،

"کوئی---- قانونی کاروائی----؟"

لالے نے خاموشی سے نفی میں سر ہلا کر بات ختم کر دی۔ پھر وہ ہاتھ سے گنے کا ٹکڑا پھینک کر اُٹھ کھڑا ہُوا۔ نرم نرم قدم دھرتے ہوئے، گویا پھولوں پہ چل رہا ہو، وہ کھیت کے اَندر بچوں کے پاس پہنچا، اُنہیں دونوں بازوؤں میں اُٹھایا، اَور واپس آ کر بی بی کے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پاس رک گیا۔ اشارہ پا کر بی بی اُٹھ کھڑی ہوئی۔ پھر لالے نے ایک نظر میری جانب دیکھا۔ ہم واپس گھر کو چل پڑے۔ ہمارے پیچھے گاؤں کے سارے لوگ ایک ایک کر کے واپس ہُوئے، چلتے چلتے میں نے ایک نظر پیچھے مڑ کر دیکھا۔ مجُھے بی بی کا پھنکارتا ہُوا لفظ ابھی تک ہوا میں اٹکا ہُوا ئی دِکھائی دیا، جس کے کناروں سے سرخ قطروں کی پھوار نِکل رہی تھی اَور نیچے کھیت میں کچلے ہُوئے گنے، مسخ شدہ لاشوں کی مانند پڑے تھے۔

ہم ابھی گاؤں سے باہر ہی تھے کہ عباس سائیکل کے پیچھے چاچے احمد کو بٹھائے ہُوئے آ پہنچا۔

"ہائے ابا۔۔۔۔" بی بی نے پھر بازو ہوا میں بلند کئے اَور اُس سے لپٹ گئی۔ چاچے احمد نے بی بی کو اپنے بازوؤں کے حلقے میں سنبھال لیا۔ لالے نے اُن پر نگاہ ڈالی اَور بچوں کو اُٹھائے اُٹھائے چلتا گیا۔ چاچا احمد وہیں پہ رک کر بی بی کو دِلاسہ دیتا رہا۔ میں اَور عباس لالے کے ساتھ گھر واپس آ گئے۔ لالہ بچے ہمارے حوالے کر کے گھر کے اَندر چلا گیا۔ صحن میں دھوپ پھیل چکی تھی۔ ہم چارپائی پہ بیٹھے ہی تھے کہ اَندر سے لوہے پہ لوہا لگنے کی مخصوص آواز آئی۔ عباس اور میں دروازے پہ جا کھڑے ہوئے۔ اَندر لالہ اپنی بارہ بور کی بندوق توڑ کر دوبارہ اُسے جوڑ رہا تھا۔ میرا دِل خوشی سے اُچھلنے لگا۔ اُس وقت مجُھے معلوم ہوا کہ تب تک میں صدمے کی حالت میں تھا۔ بندوق کو دیکھ کر میں یکدم اُس کیفیت سے نِکل آیا۔ غصے کا ایک لاوا جو اَندر ہی اَندر لہریں مار رہا تھا، میرے دِل کو چڑھنے لگا۔ اسلحے کی اِس سیاہ، خاموش شکل میں پوشیدہ قوت اَور سرد فولاد میں آگ اُگلنے کی اہلیت نے میرے احساس کو جگا دیا تھا۔ بندوق کی جھلک نے میرے اندر طاقت کا لالچ پیدا کر دیا تھا۔ میرا خُون جوش مار رہا تھا۔ عباس بھی میرے ساتھ کھڑا اشتیاق سے بندوق کو دیکھ رہا تھا۔ لالے کے چہرے پر کوئی تاثر نہ تھا۔ وہ ڈبے سے کارتوس نکال رہا تھا کہ بی بی اَور چاچا پہنچ گئے۔ بی بی نے صحن سے ایک بچے کو گود میں اُٹھا لیا، دُوسرا اُس کی قمیض کا دامن پکڑ کر ساتھ ساتھ چلنے لگا۔ جیسے ہی بی بی اندر کے دروازے پر پہنچی، اُس نے دہائی دینی شروع کر دی۔

"ابا، ابا، اِسے پکڑ۔ ہائے، یہ کِسی کا خُون کر دے گا۔ ابا۔۔۔۔"

چاچا احمد اُسے سامنے سے ہٹا کر اَندر داخل ہوا۔ اُس نے آگے بڑھ کر لالے کے ہاتھ سے بندوق لے لی۔ لالے نے بندوق بے مزاحمت اُس کے حوالے کر دی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"ہم بدلہ لیں گے، اجاز،" چاچے نے کہا، "سوچ سمجھ کر۔ سکیم بنا کر۔ یہ جلدبازی کا کام نہیں۔"

"بدلے کی بات نہیں چاچا۔ میں اِسے صاف کر رہا تھا،" لالہ بولا۔ "فصل پر جا کر سوؤں گا۔"

ٹھیک ہے۔ میں بھی تیرے ساتھ سوؤں گا۔ اوئے،" چاچے نے مجھے اَور عباس کو مخاطب کر کے کہا، "شامو شام بسترے اَور چارپائیاں اُدھر لے جانا۔ کہیں نِکل نہ جانا۔ سن لیا؟"

"ہاں چاچا۔"

"اِدھر اُدھر نِکل گئے تو چمڑی الگ کر دُوں گا۔"

"نہیں چاچا،" میں نے جواب دیا۔

ہم سب صحن میں دیوار کے سائے کے اَندر چارپائیوں پہ بیٹھے تھے۔ کچھ دیر کے بعد سائیں جلّا بیاسی سے پھرتا پھراتا ہُوا آ پہنچا۔ اُس نے کماد گرانے والوں کو دو چار غلیظ گالیاں دیں اَور حقہ تازہ کرنے لگ گیا۔ گاؤں کے اکا دُکا لوگ آتے اور جاتے رہے۔ وہ کچھ دیر بیٹھتے، حقے کے دو کش لگاتے، اَور افسوس سے سر ہلاتے ہوئے رخصت ہو جاتے۔ اُن کے وطیرے سے ظاہر ہوتا تھا جیسے کہہ رہے ہوں کہ زبردستوں سے لڑائی مول لینے کا نتیجہ اچھا نہیں نِکلتا۔ میرا غصہ اُبل رہا تھا۔ میں اَور عباس الگ چارپائی پہ بیٹھے تھے۔

"میرے ہاتھ میں بندوق آ جائے تو ساروں کو بھون دوں،" عباس نے کہا۔

"ہاں،" میں نے جواب دیا۔

چل،" وہ بولا، "بندوق نکال کر لے چلیں۔"

"کیسے نکالیں؟"

"ابھی ابا اَور لالہ اِدھر اُدھر ہوں گے تو نکال لیں گے۔" ہم نیچی آواز میں باتیں کر رہے تھے، مگر ہماری گفتگو چاچے کے کان میں جا پڑی۔

"کیا بول رہے ہو؟" اُس نے سختی سے پوچھا۔

"کچھ نہیں ابا،" عباس نے جواب دیا۔

گائے ڈکرانے لگی۔ لالہ اپنی جگہ پر بیٹھا رہا۔ "باسے" چاچے نے حکم دیا، "چل

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اٹھ کر دھاریں نکال، سنتا نہیں، بے زبان جانور تکلیف میں ہے۔ پہلے ہی دو گھنٹے دیر ہو گئی ہے۔" عباس نے اُٹھ کر بالٹی میں دودھ دو ہا۔ بی بی نے دیگچہ چُولہے پر رکھ کر دودھ کو ایک اُبالا دیا اَور بچوں کو پلایا۔ مگر بی بی نے اپنے کھانے پینے کو چولہے پہ کچھ بھی نہ چڑھایا۔ سائیں جلّا بار بار چولہے کی جانب دیکھ رہا تھا۔ اتنے میں ماسی مریم نے گرم گرم پراٹھے، آم کا اچار، اَور سلور کے مُنہ بند برتن میں ابلتی ہُوئی چائے بھیجی۔ چاچے، سائیں جلّے، عباس اَور میں نے ناشتہ کیا۔ بی بی اَور لالے نے اِسے چھُو کر بھی نہ دیکھا۔

"کھالے۔ کھالے،" چاچا کبھی بی بی اَور کبھی لالے سے کہتا، "پیٹ سے دشمنی نہ کر۔ پیٹ ایک بیماری کا نام ہے۔ اِس کو خراک دیتے جاؤ تو آرام سے سویا رہتا ہے، نہیں تو مغز بھی کام نہیں کرتا۔ کھالے۔ ہاتھ آگے کر۔ کھا۔"

مگر نہ بی بی اَور نہ لالے نے آنکھ اٹھا کر روٹی کو دیکھا۔ روٹی ختم کر کے چاچے نے چائے کٹورے میں اُنڈیلی اَور ابلتی ہُوئی چائے کو پھونکوں سے ٹھنڈا کیا۔ پھر سُرکیاں لے لے کر پینے لگا۔ دروازہ کھلا تھا۔ الیاس کمہار نے باہر سے جھانک کر دیکھا۔

"آ جا،" چاچے احمد نے آواز دی۔

الیاس چاچے احمد کے پاس آ کر کھڑا ہو گیا۔

"بیٹھ جاء،" چاچے نے کہا۔ "چاء کا پیالہ پی۔"

"ناں چوہدری، بیٹھنا نہیں۔ کام کو جا رہا ہُوں۔ سویرے کھیت پر گیا تھا۔ سُنتے ہی جا پہنچا تھا۔ ظلم ہوا ہے۔ خُدا اُن کو اِس کا بدلہ دے گا۔"

"کیوں، خُدا کو کوئی اَور کام نہیں؟" چاچا بولا۔ "ظُلم ظُلم سے چُکایا جاتا ہے۔"

"درست ہے چوہدری۔ زور آوری کا کام ہے۔"

"ٹھیک ہے،" چاچے احمد نے کہا، "زور آوری کا کام ہے۔ پتا لگ جائے گا۔"

"ایک بات کرنے آیا تھا چوہدری۔"

"کر کر۔"

"وہ گنے،" کمہار جھجکتا ہُوا بولا، "خراب ہو گئے ہیں۔"

"ٹھیک ہے۔"

الیاس چپ کھڑا رہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"یہ بات بتانے آیا تھا؟" چاچے نے سختی سے پوچھا۔ "تیرا مغز ٹھیک ہے؟"

"میں خیال کر رہا تھا، بات کروں کہ نہ کروں۔ گنے تو خراب ہو گئے ہیں۔ میں کچھ اٹھا کر اپنے خروں کو۔۔۔۔"

چاچے احمد نے یکدم ہاتھ سے چائے کا پیالہ پھینک دیا۔ اُس میں ایک گھونٹ چائے جو رہ گئی زمین پر پھیل گئی۔ اُسی ہاتھ سے چاچا تیزی سے پیر کی جوتی اُتار کر الیاس کمہار کے پیچھے بھاگا۔ "ٹھہر تیرے خروں کی ماں کی۔۔۔۔"

الیاس کمہار پچھلے پاؤں چھلانگ لگا کر دوڑ پڑا اور دروازے کی دہلیز پھلانگ کر غائب ہو گیا۔ چاچا دروازے میں کھڑا منہ اُٹھا کر اُسے گالیاں دیتا رہا۔

"چاچا تو خواہ مخواہ سختی کرتا ہے،" لالے نے کہا۔

"کیا مطلب تیرا؟" چاچے نے جواب دیا۔ "ہمارے اُوپر زیادتی ہُوئی ہے اَور اِسے اپنے خروں کی پڑی ہُوئی ہے۔"

"کیا حرج ہے،" لالے نے کہا۔ "غریب آدمی ہے، جا اوئے سرفرازے، کہ دے لے جائے جتنے ضرورت ہیں۔"

"خبردار اوئے، چمڑی الگ کر دوں گا،" چاچا مجھ سے بولا۔ "ہمارے گنے ٹھیک ہیں یا خراب ہیں، ڈنگروں کے واسطے نہیں ہیں۔"

"آخر کو تو ڈنگروں کو ہی کھلانے پڑیں گے" لالے نے کہا۔

"دیکھا جائے گا۔ گنے اُدھر ہی رہیں گے۔ گاؤں کا ایک ایک بندہ دیکھے گا۔ روز دِن چڑھے دیکھیں گے اَور شرمسار ہونگے۔ تین ایکڑ فصل میں ٹریکٹر پھر گیا اَور اِن حرام خوروں کو خبر ہی نہیں ہوئی؟ بعد میں دیکھا جائے گا۔ ڈنگر کھائیں یا بندے۔" لالہ ہار مان کر چارپائی پہ لیٹ گیا۔

"فکر نہ کر اجاز،" چاچا بولا، "دو چار دِن صبر کر۔ میں اپنے بندوں سے بات کرتا ہُوں۔ بدلہ لیں گے۔ کچھ کھا پی کے لیٹ۔ پیٹ سے بیَر نہ کر۔ آج بھی کھانا، کل بھی کھانا۔ ابھی کھا لے۔" لالے نے کوئی جواب نہ دیا۔

"ابا، اِس کا بدلہ لینا ہے،" بی بی نے کہا۔ بی بی کے اَندر حیرت ناک تبدیلی آ گئی تھی۔ اب وہ اپنا بھی بھلا، دُوسروں کا بھی بھلا، والی بات بھول چکی تھی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"تیرے کہنے کی کوئی ضرروت ہے سکو؟" چاچے نے کہا، "میری پگ اُتر گئی ہے۔ بزتی کا مقام ہے۔ بدلہ لازم آتا ہے۔"

"سات ایکڑ تو بچ گیا ہے،" بی بی نے کہا۔ "ہم گڑ بنالیں گے، مگر اُس کی مل بند کرا دیں گے۔"

لالہ کڑوی سی ہنسی ہنسا۔ "ہمارا گنا رُکنے سے کوئی مل بند ہوتی ہے؟"

"بند ہوتی ہے یا نہیں، پر ہمارا ایک گنا اُدھر نہیں جائے گا۔ خُدا جھنگیر کا بیڑا غرق کرے گا۔ دیکھ لینا، میری بات پتھر کی لکیر ہے۔"

میں اَور عباس اُٹھ کر گھر سے نِکل گئے۔ ہم گاؤں سے باہر باہر پھرتے رہے، مگر اپنے کماد کی جانب نظر اُٹھا کر دیکھنے کی میری ہمت نہ ہوئی۔

"میں بندوق نکال کر راتوں رات جہانگیر کو ختم کر دوں گا" عباس نے ڈینگ ماری۔

"کیسے نکالے گا؟"

"رات کو لالے کے ساتھ فصل پر سوؤں گا۔ آدھی رات کو کھسکا لوں گا،"

"اونہوں،" میں نے اُسے بتایا، "چاچے نے کہا ہے میں اَور تو گھر میں بی بی کے پاس سوئیں گے۔"

گاؤں میں مختلف قسم کی افواہیں تھیں۔ اگلے دو روز میں چاچے اَور لالے نے اپنے طور پہ پوچھ گچھ کی۔ کوئی کہتا تھا جہانگیر نے اپنے آدمی بھیجے تھے، کِسی کا کہنا تھا اُس نے ملک حمید کے ذریعے یہ کام کروایا ہے، کیونکہ سڑک پر ٹائیروں کے نشان پہلے دِن بھٹے کی جانب جاتے ہُوئے دکھائی دیئے تھے۔ اَندرون خانہ سب کی رائے تھی کہ یہ برادری والوں کی آپس کی لڑائی ہے، کِسی باہر کے آدمی کے دخل کا مقام نہیں۔ تیسرے دِن جہانگیر کا منشی آیا۔ "ملک صاحب نے فصل کے نقصان پر افسوس کا پیغام بھیجا ہے،" اُس نے کہا۔ "وہ خُود تشریف لانے والے تھے، مگر ضروری کام آ جانے کی وجہ سے نہیں آ سکے۔ کہتے ہیں فکر کی کوئی بات نہیں، باقی فصل کو اچھے ریٹ پر اُٹھوا دیں گے، نقصان پورا ہو جائے گا۔" جب منشی نے پیغام دیا تو میں لالے کے پاس کھڑا تھا۔ لالہ سن کر خاموش ہو رہا، گو اُس نے منشی کو اَندر آنے کی دعوت نہ دی۔ مجھے محسوس ہوا کہ لالے کو باقی کی فصل کی فکر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تھی۔ مگر بی بی شیر کی طرح بپھری ہُوئی تھی۔

"ایک گنا بھی جھنگیرے کے بھاڑ میں گیا تو میں اِس گھر سے نِکل جاؤں گی۔ جا،" وہ لالے سے بولی، "اپنے مزدُوروں کو بھڑکا، جو مرضی ہو کر، مگر مل بند کرا۔"

چاچے نے دوڑ کر منشی کو گلی کی نکڑ پر جا لیا اَور ایک درخت کی چھمک سے اُسے پیٹنا شروع کر دیا۔ منشی جان بچا کر بھاگا۔

"شاباشے سکو، تو نے میرے دِل کی بات کی ہے،" چاچا واپس کر بولا، "تو اوانوں کی برادری نہیں، تیرے اَندر راجپوت کوم کا خُون ہے۔"

میں سارا دِن گھر سے باہر پھرتا رہا۔ عباس کو چاچے نے گھربار کی دیکھ بھال کے لِئے واپس بھیج دیا تھا اَور ہدایت کی تھی کہ وہاں پہنچ کر ماسی کو کِسی کمی کے سَاتھ یہاں بھیج دے۔ میں گاؤں کے باہر دِن بھر اکیلا پِھر پھرا کر واپس آگیا۔ اُس دِن کے دوران میرے دِل کے اَندر ایک مدہم سا اِرادہ شکل اختیار کرتا رہا تھا۔ شام کو میں نے لالے سے بات کی۔

"شاہدرے کے پاس ایک نئی شوگر مل بن رہی ہے۔"

"ہاں،" لالے نے کہا، "جڑانوالے روڈ پر۔ تجھے کِس نے بتایا ہے؟"

"سکول میں کوئی لڑکا بات کر رہا تھا،" میں نے کہا۔ "ہم اُن کو کماد بیچ سکتے ہیں۔"

"شہر کی پرلی طرف ہے۔" لالے نے کہا۔

"باہر باہر سے نہیں جا سکتے؟"

"جا تو سکتے ہیں۔ مگر خرچہ بہت آئے گا۔"

"ہم اپنا گڈا نہیں بنا سکتے؟" میں نے کہا۔

"بنا سکتے ہیں۔"

"اپنا گڈا ہو تو میں مال لے کر جا سکتا ہُوں۔"

"تو لے جائے گا؟" لالہ ہنس کر بولا۔

"ہاں۔"

"اَور پڑھنے کب جائے گا؟"

میں ایک سیکنڈ تک رُکا رہا، پِھر ہمت کر کے بولا، "پڑھنے کا کیا فائدہ؟"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"ہیں؟" لالہ چونک پڑا۔ "پڑھنے کا کیا فائدہ؟ یہ تو کہہ رہا ہے؟ کالج میں تیرے داخلے کے دو چار دِن رہ گئے ہیں اَور تو کہہ رہا ہے پڑھنے کا کیا فائدہ؟ یہ میں کیا سن رہا ہوں؟"

چار روز میں پہلی بار لالے کے چہرے پر کِسی جذبے کا رنگ اُبھرا تھا۔

"میرا وظیفہ ہی کتنا ہے؟" میں نے کہا۔

"اِس سے کیا فرق پڑتا ہے؟"

"پیسے کہاں سے آئیں گے؟"

"تجھے اِس کی فکر کرنے کی کیا ضرورت ہے؟"

"ضرورت کیوں نہیں۔ شوگر مل کا رستہ تو بند ہو گیا ہے،" میں نے کہا۔

اُس وقت مجھے اِس بات کا علم نہیں تھا۔ مگر میں اَندر ہی اَندر عباس کی نقل کرنے کی کوشش کر رہا تھا، جو مجھ سے عُمر میں ایک آدھ سال ہی بڑا تھا مگر طور طریقے میں کئی برس پیشتر ہی گویا سن بلوغت کو پہنچ گیا تھا۔ اچانک لالہ ہنس پڑا۔ یہ بھی چار روز میں پہلا موقع تھا کہ اُس کے چہرے پر ہنسی نمودار ہُوئی تھی۔ ہم صحن میں کھڑے تھے۔ لالے نے مجھے بازو سے پکڑ کر چارپائی پہ بٹھایا۔ پِھر میرے ساتھ بیٹھ کر سنجیدگی سے کہنا شروع کیا۔ "دیکھ سرفراز، میں جانتا ہوں تجھے بہت فکر ہے۔ مجھے بھی بڑی فکر ہے۔ مگر میں تیری تسلی کے لِئے اصل صورِت حال واضح کرنا چاہتا ہُوں۔ شوگر مل کی ہمیں ضرورت نہیں۔ اگر ہم گڑ بھی بنائیں تو پچھلے سال کی بچت ملا کر تیرا دو سال کا خرچہ آسانی سے نِکل آتا ہے۔ پِھر اللہ وسیلہ پیدا کرنے والا ہے۔ میں یہ بھی جانتا ہوں کہ تو ہوسٹل میں رہے گا۔ جس کالج کا میں نے انتخاب کیا ہے۔ وہ شہر کے دُوسرے کونے پر ہے۔ روز آنے جانے میں پڑھائی کا حرج ہو گا۔ خرچے کا بندوبست میرے پاس ہے۔ مگر میری ایک بات ہمیشہ یاد رکھ۔ آج کے بعد میں یہ نہیں سننا چاہتا کہ پڑھنے کا کیا فائدہ۔ میں چاہتا ہوں تو ایم۔اے پاس کرے۔ پی۔ سی۔ایس کے اِمتحان میں بیٹھے۔ پڑھائی میں تو جہاں تک جائے گا میں تیرے ساتھ چلوں گا،" وہ جوش سے بولا، "مجھے اگر منڈی میں جا کر مزدُوری بھی کرنی پڑے تو تیرا خرچہ اُٹھاؤں گا۔"

لالے کی بات کے آگے میری قوت برداشت ختم ہو گئی۔ میں اُٹھا اَور تیز قدم اُٹھاتا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہُوا گھر سے نِکل آیا۔ مگر اب باہر کی دنیا کے آگے میری مدافعت ڈھال کی طرح مضبوط تھی۔ میں سیدھا اپنی زمین پر گیا اَور آنسوؤں کی جھلملاہٹ میں اُس گری ہُوئی فصل کی ایک ایک پوری کو دیکھتا رہا جس کا رس سوکھ گیا تھا اَور گانٹھیں جل کر سیاہ پڑ چکی تھیں۔ چار روز کے اَندر اُس جیتی جاگتی فصل کا تخم مردہ ہو گیا تھا۔ یہ وہ دِن تھا جب ایک مہیب غصے کا غبار سمٹ کر ایک سخت گٹھلی کی صورت میں میرے دِل کے اَندر بیٹھ گیا تھا۔ اُس دِن سے میرے اَندر قوت حاصل کرنے کی خواہش نے جنم لیا تھا۔ وقت کے ساتھ اِس خواہش کا رخ ہر حملہ آور کی جانب مڑتا چلا گیا تھا۔۔۔۔"

"اُٹھو۔۔۔ اُٹھو۔۔۔۔" صبح سویرے احمد شاہ نے لوہے کے گلاس میں چمچہ بجا بجا کر شور مچا دیا۔ "اُٹھو۔۔۔۔" وہ پکارا، "وگرنہ حشر نہیں ہو گا پھر کبھی، دوڑو زمانہ چال۔۔۔۔"

"چپ کر یار، سویرے سویرے بولیاں بولنی شروع کر دیتا ہے،" سلیم نے سوئی ہوئی عضیلی آواز میں کہا، اَور پانسہ پلٹ کر لیٹ گیا۔

"گھنٹی بج گئی ہے گھنٹی،" احمد شاہ بولا، "میر صاحب نے ایک گھنٹے کا نوٹس دیا ہے۔ نو بجے کمرہ خالی مانگتا ہے۔"

"میر صاحب کی ماں کی۔۔۔۔" غلام حسین نے بستر پہ آنکھیں کھول کر گالی دی۔

"اوئے، کیا تڑکے منحوس بولی بولتے ہو، نہ خُدا کا نام نہ رسول کا۔ تُمھیں پتا نہیں جنگ لگی ہے؟" احمد شاہ نے کہا۔ احمد شاہ گجرات کے ایک معمولی سے گدی نشینوں کا رشتہ دار تھا اور روزانہ فجر کے وقت اُٹھ کر نماز پڑھنے اَور گرمی ہو یا جاڑا، ٹھنڈے پانی سے نہانے کا عادی تھا۔ اس کی اِس عادت سے سب بیزار تھے۔ صبح سویرے وہ اپنے فرائض سے فارغ ہو کر سب کو جگاتا تھا تو اُس کا سرخ گالوں والا تر و تازہ چہرہ دیکھ کر دُوسرے تینوں اپنی آنکھیں چھپا لیتے اَور ہاتھ سے اُسے دفع ہونے کا اشارہ کرتے تھے۔ "او کانگڑی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پہلوانوں، اُٹھو،" وہ کہا کرتا "تازہ پانی سے نہا کر فجر پڑھنے والے کو کبھی قبض کی شکایت نہیں ہوتی۔"

"اِس میر صاحب یہودی کو پتا نہیں کہ باہر جنگ لگی ہے؟" غلام حسین نے کہا، "ایک گھنٹے کا نوٹس دیتا ہے، دُوسرے گھنٹے کا پتا نہیں۔ میرے دِل میں تو ایک ہی حسرت ہے۔"

"کہ ہمارے جاتے ہی یہاں پر بم گرے۔ ایک گھنٹے کے نوٹس کا اِسے مزا آ جائے۔ میرا سارا پروگرام تباہ کر دیا ہے۔ آج شام کو راشدہ نے ملنے کا وعدہ کیا ہُوا تھا۔ اب میں اُسے لے کر کہاں جاؤں گا؟"

"جہاں پہلے لے کر جاتے تھے،" احمد شاہ شرارت سے بولا۔

"پہلے کہاں ملی ہے یار،" غلام حسین مایوسی سے بولا، "چھ وعدے کر کے دغا دے گئی حرام خور۔ مگر آج کے لِئے تو اس نے قسم لکھ کر بھیجی ہے۔ یہ دیکھ۔" وہ کُرتے کی جیب سے ایک کاغذ کا پرزہ نکال کر ایسے انہماک سے پڑھنے لگا گویا پہلی بار اُس کے ہاتھ میں آیا ہو۔

"اوئے چپ کر کے گھر جا اَور شریفوں کی طرح زندگی گزار۔ تو کن بکھیڑوں میں پڑ گیا ہے،" احمد شاہ نے کہا۔

"تجھے کیا فکر ہے،" غلام حسین بولا، "تیری سیدانی تو گھر بیٹھی تیرا انتظار کر رہی ہے تاکہ تو آئے اور نمازیں پڑھ پڑھ کے اَور ٹھنڈے پانی سے نہا نہا کر اُس کا دماغ خراب کر دے۔ دیکھ لینا، شادی کے تین مہینے کے بعد واویلا کرتی ہُوئی گھر سے نہ نِکل گئی تو میرا نام بدل دینا۔"

سلیم نے غلام حسین کے ہاتھ میں کاغذ کا پرزہ دیکھا تو ایک دم چھلانگ لگا کر بستر سے اٹھا۔ "اوہو ہو ہو۔ میں نے تو فوزیہ کو خط لکھنا ہے۔"

"میر صاحب اب کِس کو کمرہ دے رہا ہے؟" سرفراز نے پوچھا۔

"پتا نہیں۔ نو بجے نئے کرایہ دار آ رہے ہیں۔ بس یہ کہہ کر چلا گیا ہے۔" احمد شاہ نے بتایا۔ "اَور ہاں۔ اوئے سنو سنو، ایک خبر سنانا تو میں بھول ہی گیا۔"

"کیا خبر ہے؟"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"نتیجہ دو چار دِن میں نِکلنے والا ہے۔"

"تجھے کیسے پتا ہے؟"

"آج میں نماز کے بعد سیر کرنے نِکل گیا تھا۔ وہاں سپرنٹنڈنٹ شیخ صاحب مل گئے۔ انہوں نے بتایا ہے۔"

"تو اُس کاذب شیخڑے کی بات پہ اعتبار کرتا ہے؟"

"ہاں۔ اُس کے رشتہ دار ہمارے مرید ہیں۔"

"کاذب کا کیا مطلب ہے؟"

"اس کا مطلب ہے جھوٹا۔ اوئے علم حاصل کرو، تُم یہاں آلو چھولے بیچنے نہیں آئے۔" آخری منظر جو اُس چوبارے کا سرفراز کی آنکھوں میں رہ گیا تھا وہ یہ تھا:

احمد شاہ سب سے پہلے تیار ہو کر اپنے صندوق، اَور اس کے اُوپر گول باندھے ہُوئے بستر پہ بیٹھا ریڈیو کی سوئی گھما گھما کر مختلف سٹیشنوں سے خبریں سن رہا تھا۔ سلیم جو عین اپنے صندوق میں بند کر کے بھول چُکا تھا، اپنی ناک کاغذ کے ساتھ جوڑے جلد جلد خط مکمل کر رہا تھا۔ ختم کرنے کے بعد اُس نے کاغذ کو دُہرا تہرا کر کے دھاگے میں لپیٹا اور دھاگے کا سرا ایک چھوٹے سے پتھر کے ساتھ باندھ کر کھڑکی میں جا کھڑا ہو۔ کھڑکی سے سر باہر نکال کر اُس نے دائیں بائیں نظر دوڑائی اَور پتھر سے بندھا خط اپنی محبوبہ کے کوٹھے پہ پھینک دیا۔

"چلا چل کبوتر لفافے کی چال،" احمد شاہ نے ریڈیو سے دھیان ہٹا کر کہا۔

"نہ تُم لوگ کبھی یہاں آؤ گے، نہ کوئی موقعہ ملے گا اَور نہ کبھی ملاقات ہوگی،" سرفراز نے کہا۔ "اِتنے تردد کا کیا فائدہ؟"

"کیا فرق پڑتا ہے؟" سلیم نے کہا۔ "یاد تو رکھے گی ناء۔"

"یاد رکھنے سے کیا فرق پڑتا ہے۔؟"

یہ رومانس ہے، رومانس، پینڈو،" احمد شاہ بولا۔

"کسی گھر کی لڑکی کو پکڑ کر تُمہاری شادی کر دی جائے گی اَور تُم چھوٹی موٹی نوکریاں کر کے گھر بیٹھ جاؤ گے،" سرفراز نے کہا۔ "سارا رومانس نِکل جائے گا۔"

"تجھے اِن باتوں کا کیا پتا؟" سلیم نے سرفراز سے کہا۔ "تیری نہ ماں نہ بہن۔ تیری

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تو شادی بھی نہیں ہوگی۔"

"میں تو نائب تحصیلدار بنوں گا" احمد شاہ بولا، "گورنر کا وعدہ مل چُکا ہے۔ بس بی۔اے کرنے کی شرط ہے۔"

"بی۔اے کیسے کرے گا؟ تجھے تو الف بے بھی نہیں آتی۔ تیری قسمت میں تعویز بنانا ہی لکھا ہُوا ہے" غلام حسین نے غسل خانے سے آواز دے کر کہا۔ وہ بالوں میں کنگھی کر رہا تھا اَور بار بار کنگھی کو غور سے دیکھتا، اُسے دیوار کے ساتھ جھٹک جھٹک کر خشکی نکالتا اَور پھر بالوں میں پھیرنے لگتا تھا۔

نو بجنے والے تھے۔ الوداع کا وقت آ پہنچا تھا۔ سب ایک دُوسرے سے گلے ملے، دونوں ہاتھوں سے دست پنجے دبا دبا کر ہلاتے رہے، اَور ہاتھ ہلا ہلا کر رخصت ہوئے۔

سرفراز گول بستر کی رسی کند ہے اَور گردن سے نکال کر بستر کو پشت پہ لِئے اَور صندوق ہاتھ میں اٹھائے بس کے اڈے کی جانب چلا جا رہا تھا کہ ایک ہوٹل کے سامنے ایک گرد آلود جیپ آ کر رکی۔ جیپ سے دو نوجوان فوجی افسر نِکلے۔ جیپ کی طرح دونوں افسر بھی گرد میں اٹے ہُوئے تھے، یوں معلوم ہوتا تھا جیسے خشک مٹی کے چھینٹوں سے نہا کر نِکلے ہوں۔ اُن کے سر ننگے تھے اَور بالوں کی لٹیں گرد کی وجہ سے اکڑی ہُوئی تھیں۔ اُن کی بھویں تک خاکی ہو رہی تھی۔ اُن کو ڈاڑھی منڈوائے غالباً ہفتہ دس دِن ہو چکے تھے۔ سرفراز نے اُن کے شانوں پہ نظر ڈالی تو معلوم ہوا کہ دونوں کپتان تھے۔ وہ مکمل جنگی وردی میں ملبوس تھے۔ یوں لگتا تھا جیسے سیدھے کِسی خندق سے نِکل کر آ رہے ہوں۔ جیپ سے نِکلنے کے بعد دونوں نے اپنی رانوں پہ ہاتھ مار کر مٹی جھاڑنے کی کوشش کی۔ گرد و غبار کا ایک چھوٹا سا بادل نمودار ہوا، جس کے بیچ گھرے ہُوئے دونوں افسروں نے ایک دُوسرے کو دیکھا اَور کپڑے جھاڑنے کی مزید کوشش ترک کر دی۔ پھر وہ مڑ کر ہوٹل کے اَندر چلے گئے۔ اُن کے بدن سے گو انتہائی تھکن کے آثار نمایاں تھے اَور اُن کے کندھوں میں خفیف سا جھکاؤ تھا، مگر اُن کی چال میں ایک ایسی تفخرانہ شان تھی کہ اُس کے اثر سے گویا مسحور ہو کر سرفراز اُن کے پیچھے پیچھے ہوٹل میں داخل ہو گیا۔ درمیانے درجے کے ہوٹل کے ہال کمرے میں تین چوتھائی میزوں کے گرد لوگ بیٹھے مختلف قسم کے ناشتے کر رہے تھے۔ جیسے ہی لوگوں نے فوجی افسروں کو داخل ہوتے دیکھا، اُن کے چلتے ہُوئے